انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۵ - شمارہ ۲۹	ایڈیٹر: آل احمد سرور	یکم اگست ۱۹۶۶ء

آل احمد سرور

کابل میں ایک ہفتہ

(۴)

یہیں چین سے ہی ہمارا معمول یہ ہو گیا تھا کہ صبح نو بجے پوہنتون کابل پہنچ جاتے۔ دو گھنٹے مقالے سننے اور بحث کرنے کے بعد پندرہ بیس منٹ کے لیے چائے کا وقفہ ہوتا، اس کے بعد پھر بحث شروع ہو جاتی جو ایک یا ڈیڑھ بجے ختم ہوتی۔ دوپہر کا کھانا ہوٹل کابل میں، خیبر ریستوران میں یا ہوٹل سپین زر میں ہوتا۔ کھانا دو بجے کے قریب شروع ہوتا اور ہم لوگ تین بجے کے قریب فارغ ہوتے۔ میں نے دیکھا کہ عام طور پر کھانے پر بیئر ضرور ہوتی تھی۔ ہمارے اور چند افغانی پروفیسروں کے سوا سبھی پینے والے تھے۔ ہمارے لیے سنترے یا انناس کا شربت ہوتا۔ ایک ایرانی نمائندے نے دیکھا کہ میرا شربت کا گلاس بار بار بھرا جا رہا ہے اور اس کا بیئر کا گلاس خالی ہے۔ اس نے مجھ سے ہنس کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ رعایت کیوں ہو رہی ہے؟ میں نے کہا اس لیے کہ شربت بہت ہے اور پینے والے کم ہیں۔ سہ پہر کو کوئی نہ کوئی پروگرام ضرور ہوتا تھا۔ پہلے دن ہم کابل میوزیم گئے۔ میوزیم بہت بڑا نہیں ہے مگر اس میں آثار قدیمہ بڑے سلیقے سے فراہم کیے گئے ہیں اور افغانستان کی تقریباً چار ہزار سال کی تاریخ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ میں نے وہاں بدھ مذہب اور یونانی تمدن کے گہرے اثرات دیکھے۔ پروفیسر حبیبی سے میں نے ہندوکش کی وجہ تسمیہ دریافت کی تو انھوں نے ہنس کر کہا کہ ہندو، سندھ یعنی دریا کے مترادف ہے اور کش کشان سے نکلا ہے۔ سندھ رفتہ رفتہ دریا کے بجائے علاقے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا اور اس طرح ہندوکش کشان کے علاقے کے لیے بولا جانے لگا۔

کابل میوزیم سے ہم بادشاہ خان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ قریب میں دار الامان میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بادشاہ خان کی صحت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ ہم لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ میں نے سب سے پہلے ۱۹۳۵ء میں انھیں علی گڑھ میں دیکھا تھا۔ پٹھانوں کے بیچ میں اردو بول رہے تھے۔ تقریر تو معمولی تھی مگر ہر لفظ سے خلوص اور گداز ٹپکتا تھا، اس لیے اس کا سبھی پر اثر ہوتا تھا۔ اس بات پر افسوس کر رہے تھے کہ ہندوستان پٹھانوں سے جو وعدے کیے تھے انھیں وہ بھولتا جا رہا ہے۔ بادشاہ خان نے صاف کہا کہ ان کی تحریک ایک اصلاحی تحریک ہے۔ انگریزوں نے اس کے سیاسی امکانات کی وجہ سے اس کو کچلنا چاہا۔ انھوں نے اپنی نظربندی کے زمانے میں اردو میں اپنی سوانح عمری لکھی تھی، مگر پاکستان کی حکومت نے اسے ضبط کر لیا۔ اب دوبارہ وہ اسے لکھنا چاہتے ہیں۔ ہم لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ تین نوجوان پختون ان کے پاس آئے۔ بادشاہ خان نے ہمیں ان سے ملایا۔ جس عقیدت سے وہ بادشاہ خان کو دیکھ رہے تھے اس سے اندازہ ہوا کہ بادشاہ خان کے کارکن اور خدائی خدمت گار ہوں گے۔ بادشاہ خان کو اس بات کا بہت رنج تھا کہ لوگ مذہب کے نام پر خون بہاتے ہیں اور فساد کرتے ہیں حالانکہ مذہب تو انسانوں کو قریب لانے والا ہے، جدا کرنے والا نہیں۔

دوسرے دن سہ پہر کو ہم سرکاری پریس دیکھنے گئے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ وہاں آفسٹ اور ٹائپ دونوں کی بڑی اچھی مشینیں تھیں۔ منیجر انگلستان کے تربیت یافتہ تھے۔ کابل کے سبھی اخبار اور بیشتر کتابیں یہیں چھپتی ہیں۔

سمینار کے دوسرے دن ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس کا مقصد سمینار کے آخری اجلاس میں آئندہ کے کام کے متعلق تجاویز پیش کرنا تھا۔ اس میں ایران سے ڈاکٹر پرویز خانلری، تاجکستان سے پروفیسر معصومی، ہندوستان سے مالک رام، پاکستان سے عبدالشکور احسن اور افغانستان سے حبیب اللہ تژی اور علی محمد زہما لیے گئے تھے۔ ان لوگوں نے دو گھنٹے بیٹھ کر گفتگو کی اور متفقہ طور پر کچھ سفارشات کیں۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

تیسرے دن دوپہر کا کھانا کابل کی ایک تفریح گاہ باغ تپہ میں ہوا۔ یہ باغ امیر امان اللہ نے بنوایا تھا۔ بڑا پر فضا مقام ہے۔ کھانے کے بعد ایک افغانی نے حافظ کی کچھ غزلیں گائیں۔ بڑی پرلطف صحبت رہی۔ یہاں کابل ریڈیو کے ایک صاحب نے مائیکروفون میرے منہ کے سامنے کرتے ہوئے مجھ سے سمینار کے متعلق کچھ سوالات کیے۔ عبدالشکور احسن اپنا کیمرہ ساتھ لائے تھے۔ انھوں نے ہم سب کی بہت سی تصویریں لیں۔ ہم لوگ باغ اور محل کی سیر کرتے رہے۔ بزرگ مہر سے بہت دلچسپ باتیں رہیں۔ ہم لوگ پانچ بجے کے قریب واپس آئے۔

رات کو بھی کہیں نہ کہیں کھانے کی دعوت ہوتی تھی۔ دو راتیں

خانی میں۔ چنانچہ ہم نے ایک شب کھانا ونس کے یہاں اور دوسری شب کھانا جوہری کے یہاں کھایا۔ جوہری کی بیوی کو اردو شاعری سے بڑی دلچسپی ہے۔ انھوں نے میری ایک غزل اور ایک نظم ریکارڈ کی۔ ایرانی سفارت نے کاک ٹیل پارٹی دی۔ وزیر اعظم نے چہل ستون میں استقبالیہ دیا بہت دیر تک ہندوستان کے ساتھ دوستی اور محبت کا اظہار کرتے رہے ہمارے سفیر نے اسی دن بتایا کہ ذاکر صاحب کے آنے کا پروگرام بن گیا ہے اور وہ دس جولائی سے پندرہ جولائی تک افغانستان کا دورہ کریں گے۔

(باقی آئندہ)

دورِ جدید کے نمائندہ انتخاب پر مشتمل "اظہار" کی اشاعت کا فیصلہ

اورنگ آباد۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ صدر انجمن جناب سکندر علی وجد صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ گذشتہ جلسے کی روداد کی توثیق کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ دورِ جدید کے نمائندہ ادب پر مشتمل ایک کتاب "اظہار" شائع کی جائے۔ اس میں نظم، تنقید اور افسانے شامل ہوں گے۔ اشاعت کی ذمہ داری مقرر کردہ سب کمیٹی کو سونپی گئی ہے جس کے کنوینر معتمد انجمن اختر فاروقی مقرر کیے گئے ہیں۔ حصہ نظم کے انتخاب و ترتیب کی نگرانی جناب سکندر علی وجد اور قاضی سلیم اور تنقیدی اور افسانوی حصے کا انتخاب جناب جوگندر پال اور اختر فاروقی کریں گے۔ کتاب دسمبر میں شائع ہونے کی توقع ہے۔ اسی جلسے میں انجمن کے زیر اہتمام ایک جاری کتب خانہ کے قیام کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ (ایک نامہ نگار)

نظام الدین ممنون دہلوی پر تحقیقی کام

یہ خبر ادبی حلقوں میں مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ علاقہ ودربھ کے مقبول شاعر جناب محمد منظور الرحمن خاں منظر نے اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان "میر نظام الدین ممنون — حیات اور شاعری" مکمل کر لیا ہے۔ منظور الرحمن صاحب نے تین سال کی محنت اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی مالی اعانت کے ذریعے علی گڑھ، دہلی، بھوپال اور حیدرآباد کا دورہ کرکے اپنے تحقیقی کام کے سلسلے میں نہایت اہم اور مفید مواد فراہم کیا ہے نیز دہلی، بھوپال، حیدرآباد اور لندن کے قلمی نسخوں کی مدد سے دیوانِ ممنون کی ترتیب و تہذیب کا کام بھی انجام دیا ہے۔ یہ مقالہ مع مرتبہ دیوان ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے ناگپور یونیورسٹی میں عنقریب پیش کیا جا رہا ہے۔ (غیاث الرحمن، ناگپور)

سودا کی قبر کا تحفظ

۱۰ جولائی کو ایک جلسہ عام زیر صدارت شاہ محمد فاروق عطا صاحب سجادہ نشین امام باڑہ آغا باقر لکھنؤ منعقد ہوا۔ جلسے نے متفقہ طور پر ابراہیم مہدی زیدی کو تحفظ قبرِ سودا اور قبرستان سودا کمیٹی کا کنوینر مقرر کیا۔ یہ بھی طے پایا کہ بہت جلد ایک دوسرا جلسہ عام بلا کر گورنمنٹ کی توجہ اس طرف دلائی جائے کہ قبرستان سودا کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنے کی کوشش پر آواز بلند کی جائے۔ اسی جلسے میں ایک کمیٹی بھی بنائی گئی ہے اور کمیٹی کے کنوینر کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شہر کے معزز لوگوں سے مل کر اس کمیٹی کو بڑھائے۔ یہ بھی طے پایا کہ بہت جلد جشن سودا منایا جائے۔

(سیاست جدید، کانپور)

پنڈت نہرو کی تقریروں اور تحریروں کا مجموعہ

نئی دہلی ۲۰ جولائی۔ حکومت ہند کے نشر و اشاعت ڈویژن نے حال ہی میں جواہر لال کی تقریروں اور تحریروں کا ایک مجموعہ بین الاقوامی تعاون کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کی غرض سے شائع کیا ہے۔ مرحوم وزیر اعظم کی ۱۹۲۷ء سے لے کر ۱۹۶۳ء تک کی تقریروں اور تحریروں میں سے یہ انتخاب کیا گیا ہے

یاد رہے کہ نومبر ۱۹۶۱ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں نہرو کی تقریر ہی کے پیش نظر اقوام متحدہ نے ۱۹۶۵ء کو بین اقوامی تعاون کا سال قرار دیا تھا۔

کتاب کے دیباچہ میں تحریر ہے "جواہر لال نہرو کا بین اقوامی تعاون کا تصور، انسان دوستی اور روشن خیالی پیدا کرنے کے لیے محض ایک اپیل کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ انھوں نے مسائل کے حل کیے جانے میں اپنی تجاویز کو عملی شکل دینے میں ان بنیادی دشواریوں کی طرح کی جو بین اقوامی تعاون کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔ انھوں نے جو دلائل مسائل کے حل پیش کیے وہ عالمی تصور سے ان کے جذباتی لگاؤ کو ظاہر کرتے ہیں۔ (قومی آواز)

ہندستانی آرٹ کے بارے میں سوویت تصنیف

ماسکو ۷ جولائی۔ سوویت یونین میں آرٹ کی مورخ انتونینا کروتسکایا نے "ہندستانی آرٹ کا خزینہ" کے زیر عنوان ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں عہد قدیم سے لے کر آج تک کے ثقافت کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ہندستانی آرٹ کی لازمی و بنیادی خصوصیات کو اجاگر کیا ہے۔

پہلا حصہ جنوبی ہندستان کے قدیم غاروں کی مصوری کا تجزیہ پیش کرتا ہے مصنفہ نے اپنے خیال کی تائید میں کئی مثالیں پیش کی ہیں۔ مسز کروتسکایا نے ذکر کیا کہ کتاب کی تیاری کے سلسلے میں ہندستان کا سفر اختیار کیا تھا اور طویل قیام کی مدت میں اس کی تعمیراتی و آرٹ کی یادگاروں کا مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ انھوں نے ہمارے عہد کے آغاز میں بت تراشی کے فروغ کا بڑے دلچسپ پیرائے میں ذکر کیا ہے۔ انھوں نے وسطی عہد کی ابتدا کے مندروں اور ان کی دیواروں کی مصوری کو بھی تفصیلی بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں اجنتا اور مغل عہد کی مصوری کے بارے میں بھی ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ اس میں جدید آرٹ کا تفصیلی ذکر ہے۔

راجہ مہدی علی خاں کا انتقال پُرملال

علی گڑھ ۲۸ جولائی۔ ادبی حلقوں میں یہ خبر نہایت رنج اور افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ اردو کے مشہور شاعر اور فلمی دنیا کے مقبول نغمہ نویس راجہ مہدی علی خاں کا ۲۹ جولائی کو بمبئی کے جسلوک ہسپتال میں انتقال ہو گیا۔ وفات کے وقت مرحوم کی عمر پچاس سال کی تھی۔ ادارہ ہماری زبان مرحوم کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

دریندر پرشاد سکسینہ بدایونی

منوہن لال شمیم کے چار غیر مطبوعہ خط

مکاتیب شمیم، سورگیہ شمیم کے غیر مطبوعہ خطوط کا مجموعہ ہے۔ مکاتیب شمیم کے حصہ اوّل میں وہ خطوط ہیں جو حضرت جگر بریلوی کے نام ہیں اور دوسرے حصہ میں وہ خطوط شامل ہیں جو انھوں نے ڈاکٹر محمد اسحاق مرحوم اور حضرت فانی بدایونی مرحوم کو لکھے تھے۔ شمیم کو اردو ادب پر گہرا عبور تھا فارسی کی استعداد بھی بہت اچھی تھی حافظ اور غالب کے پرستاروں میں تھے وکالت کی بے پناہ مصروفیتوں نے کسی ادبی شغل کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا جیسا کہ خود ایک خط میں حضرت جگر بریلوی کو لکھتے ہیں۔

"قدرت کی کیا ستم ظریفی ہے کہ حافظ و غالب کے پرستار کو ضابطہ دیوانی اور قانونی میعاد سماعت سے پالا پڑا ہے۔"

جناب جگر بریلوی نے ان جواہر پاروں پر مکاتیب شمیم کے عنوان سے ایک بصیرت افروز مضمون رسالہ زمانہ اگست ۱۹۳۶ء میں لکھا تھا۔ سورگیہ شمیم حضرت جگر بریلوی حضرت فانی بدایونی اور ڈاکٹر محمد اسحاق بریلوی کے جگری دوست تھے۔ جگر بریلوی اور فانی بدایونی کے پاس سے زیادہ ادبی خطوط میں نے سورگیہ شمیم کے پاس اگست ۱۹۵۳ء میں دیکھے تھے جب میں ان کے درشن کرنے کے لیے بریلی گیا تھا۔ یہ خطوط ان کے صاحبزادے جناب جتیندر موہن ماتھر سے حاصل کر کے شائع کرا دیے جائیں تو اردو کے مکتوباتی ادب میں ایک گرانقدر اضافہ ثابت ہوں گے۔ اگر اردو کا کوئی طالب علم حضرت فانی بدایونی اور حضرت جگر بریلوی کی ادبی خدمات کے سلسلے میں کوئی مقالہ لکھنا چاہے گا تو ان خطوط کے بغیر اس کا یہ مقالہ نامکمل رہے گا۔ رسالہ آواز بریلی نے مارچ ۱۹۵۴ء میں ان کی وفات پر اپنے رسالہ کا ایک خاص نمبر نکالا تھا۔ حضرت جگر بریلوی کے نام کے تین خطوط اور ڈاکٹر محمد اسحاق کے نام کا ایک خط ملاحظہ فرمایئے۔

بریلی محلہ ذکاتی

۱۵ جون ۱۹۲۸ء

میرے مکرم تسلیم۔ آجکل گو ایک ماہ کے لیے عدالت دیوانی بند ہو گئی ہے مگر پھر بھی گرامی ناموں کا جواب آج کئی روز بعد لکھنے بیٹھا ہوں۔ گو کچہری کے دنوں میں بھی فرصت ہی فرصت رہتی ہے لیکن عدیم الفرصتی کبھی پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔ کچہری ہوا تعطیل ہجوم افکار اور مصائب روزگار سے کبھی مخلصی نہیں ہوتی۔ مرزا آتش نے خوب لکھا ہے۔

موقوف نہیں دام و قفس پر ہی اسیری
ہر غم میں گرفتار ہوں ہر فکر میں پابند

چکبست کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ مسدس میں انیس اور غزل میں آتش کے مقلد ہیں اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ دور حاضر کے مسلسل نظموں کے لکھنے والے شعراء میں بہ استثناء صفی لکھنوی کے اور کسی نے زبان کی صحت اور صفائی کا اتنا خیال نہیں رکھا ہے۔ قومی اور فلسفیانہ نظمیں ڈاکٹر اقبال نے نہایت خوب لکھی ہیں لیکن اقبال کی زبان کو چکبست کی زبان سے کوئی مناسبت نہیں۔ نیچرل نظموں کے لکھنے والوں میں سرور جہان آبادی بھی رتبہ عالی رکھتے ہیں لیکن ان کی زبان بھی بہت زیادہ قابل اعتراض ہے۔ جذبات عشق اور سوز و ساز کے مضامین نیاز فتح پوری نے بھی نہایت جوش و خروش سے نظم کیے ہیں لیکن میری حقیر رائے کے بموجب ان کی زبان بھی سند نہیں ہو سکتی۔ یہ سوال کہ چکبست کا مقابلہ کس شاعر سے کیا جائے نہایت مشکل امر ہے۔ اقبال کا نام اکثر چکبست کے ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ میرے دل میں اقبال کی بھی بڑی عزت ہے اور دنیائے شاعری میں ان کے مرتبہ کی عظمت اور رفعت کو تسلیم کرتا ہوں۔ بہر حال اگر چکبست اور اقبال میں تقابل کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ چکبست کے کلام میں وہ جوش و خروش نہیں ہے جو اقبال کا خاصہ ہے۔ میرا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ چکبست کا کلام روکھا پھیکا یا تاثیر سے معرا ہے تاثیر اس میں بھی ہے اور بدرجہ اتم ہے لیکن دونوں کے اثرات جداگانہ ہیں۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو یوں سمجھ لیجئے کہ اقبال کے کلام میں جلالی اور چکبست کے کلام میں جمالی شان ہے۔ اگر چکبست کے یہاں دریا کی سی روانی ہے تو اقبال کے یہاں آبشار کا سا جوش و خروش اور تیزی۔

غزل میں اخلاقی اور فلسفیانہ مضامین چکبست اور اقبال دونوں نے ہی لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں۔ غزل کی جانب دونوں نے توجہ کم کی ہے میری رائے میں یہ اصول بالکل قابل وقعت نہیں کہ غزل صرف معاملہ نگاری اور چھچھلے عشقیہ مضامین کے لیے مخصوص ہے اور فلسفیانہ یا اخلاقی مضامین کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ایک زمانہ میں یہ معیار درست تھا مگر آج کل کسی شاعر کی غزل کو اس نظر سے دیکھنا خود کو مذاق جدید یا ذوق سلیم سے بیگانہ ثابت کرنا ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اگر اقبال اور چکبست کی غزل میں فرق کیا جا سکتا ہے تو یہ کہ اقبال فلسفہ اور معرفت کی جانب زیادہ مائل معلوم ہوتے ہیں اور چکبست اخلاق کی طرف۔ نیز یہ کہ اقبال کی غزل میں تاثیر زیادہ ہے۔ مگر زبان کی صفائی اور شستگی میں اقبال چکبست سے بہت پیچھے ہیں۔ بہر حال میری یہ رائے بالکل سطحی ہے کیونکہ میں نے زیادہ کلام اقبال کا دیکھا ہے نہ چکبست کا۔ دو ایک غزلوں اور دو ایک نظموں کے دیکھنے سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں جو محض بہ لحاظ امتثال امر عرض کر دیا گیا ورنہ میں کیا اور میری رائے کیا۔

فانی کی ایک تازہ ترین غزل کے دو شعر ہیں۔

جلوہ یار کا بھکاری ہوں — مشرب حسن کاسہ گدائی ہے
بچھ گئے راہ یار میں کانٹے — کس کو عذر برہنہ پائی ہے

زیادہ نیاز

منوہن

(۲)

۶ فروری ۱۹۲۹ء

مخدوم محترم تسلیم نیاز۔ اس میں شک نہیں کہ بڑے دن کی تعطیل میں حاضری کا قصد کیا تھا لیکن یکے بعد دیگرے چند موانع پیش آ گئے کہ یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ اس پیشہ وکالت میں لطف صحبت تو کیا ادب لطیف کے مطالعہ کا بھی وقت نہیں ملتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قانون کے دفعات اور نظائر کی موشگافیوں ہی تک میری دنیا محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ قضاء و قدر کی ستم ظریفی کو ملاحظہ فرمایئے کہ حافظ و غالب کے پرستار کو ضابطہ دیوانی اور قانون میعاد سماعت سے پالا پڑا ہے۔ خیر

بہ درد و صاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

اردو کے اشعار اور ہندی کے دوہوں کی آپ مجھ سے فرمائش کرتے ہیں کجا ذہنیتِ شاعری کی رنگینی و لطافت اور کجا وکالت کی یبوست و کثافت اس تفاوتِ راہ پر غور کیجئے۔ اول تو اچھے اشعار کا انتخاب سلامتِ ذوق پر منحصر ہے جس سے مجھ بے بصیرت کو کیا واسطہ دوسرے جو کبھی جو کچھ یاد تھا طاقِ نسیاں کی نذر ہو گیا مہینوں نہیں برسوں گزر جاتے ہیں کہ اچھا کلام دیکھنے یا سننے کی نوبت نہیں آتی۔ فانی صاحب جب تک بریلی رہے ان کے فیض نے اس ذوق کو تازہ رکھا اب جبکہ فانی صاحب آگرہ میں۔ اور جگر صاحب میچا۔ اس دورِ افتادہ کا خدا ہی حافظ ہے۔

مشتاقِ دید

منموہن

(۳)

محلہ زکاتی بریلی

۱۴ر جولائی ۱۹۲۱ء

آداب عرض کرتا ہوں۔ آپ کے کارڈوں سے آتشِ شوق اور بھی تیز ہو چکی تھی اور میں نہایت بے صبری سے ایک تفصیلی ملاقات کا انتظار کر رہا تھا اس کرم فرمائی کا شکریہ عرض کرتا ہوں کہ ایک نہیں دو لفافے بیک وقت موصول ہوئے بریلی میں ایسی فرصتیں کہاں نصیب ہوتی ہیں کہ کہیں دو چار گھڑی شعر و سخن کے تذکرہ میں صرف کر دیئے جائیں۔ البتہ فانی صاحب نے مجھے اپنی خدمت میں بہت گستاخ بنا دیا ہے اور جو وقت ان کی خدمت میں گزرتا ہے اچھا گزرتا باقی آپ کے گرامی ناموں کی جانب آنکھیں لگی رہتی ہیں اور کبھی کبھی غذائے ذوق بہم پہنچ جاتی ہے۔

شاہد گلزارِ نسیم میرے ہی پاس ہے۔ میں خان صاحب سے لے آیا تھا اس انتظار میں ہوں کہ خان صاحب "بیر جی" تلاش کر کے دے دیں تو دونوں کتابیں ساتھ ساتھ بھیج ہی جائیں۔ ان سے تقاضا اس وجہ سے نہیں کر سکتا کہ ابھی اسہال میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ دو چار مرتبہ تے بھی ہو گئی تھی طبیعت ابھی کمزور ہے اور اس قابل نہیں کہ تلاشِ کتاب کی زحمت برداشت کر سکے۔ دست بدہضمی کے تھے کچھ زیادہ تشویش کی بات نہ تھی اور محض ہیجانِ صفرا کے باعث استفراغ ہو گیا تھا۔ گو ضعف زیادہ ہو گیا شکر ہے کہ اب بالکل تندرست ہیں اور کچہری آتے جاتے ہیں۔

امیر بدایونی صاحب کا تبصرہ بھی دیکھا اور کلام بھی۔ اگر یہ سچ ہے کہ بازارِ شاعری میں علم و فضل کی جنس کی زیادہ مانگ نہیں ہے اور محض شاعر کے کلام سے اس کے مرتبہ کا اندازہ کرنا چاہیے تو حیرت ہے کہ امیر بدایونی سے سخن فہم و سخن گو نے امیر سے تلمذ کیوں اختیار کیا حقیقت میں یہ سمجھنا دشوار ہے کہ امیر کو امیر صاحب سے کیوں ارادت و عقیدت ہو گی۔

مجھے تو اس معمہ کا یہی حل معلوم ہوتا ہے۔ امیر صاحب محض ایک ملائے مکتبی ہیں اور امیر کو ایامِ طفولیت میں آمد نامہ اور گلستان کا سبق پڑھا چکے ہیں بس امیر کی استادی اور امیر کی شاگردی کی حقیقت ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہی پروفیسر صاحب اسی زمانہ میں تحصیلی اسکول بدایوں کے ہیڈ ماسٹر رہ چکے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو ان کے متعلق اتنا اور سن لیجئے کہ یہ نہایت پرگو اور زود گو واقع ہوئے ہیں گھنٹہ دو گھنٹہ میں ساٹھ ستر اشعار کہہ ڈالتے ہیں بہرحال یہ خوش سنائی

اور قیاسی باتیں ہیں خود ان کے کلام سے ان کے متعلق کچھ اچھی رائے قائم نہیں ہوتی۔

امیر صاحب نے "ہوا ہوا" کی تکرار کے دو شعر اپنے بھی درجِ تبصرہ کیے ہیں۔

نقشِ ہستی ہے نقطۂ موہوم — کیا ہوا گر ہوا ہوا نہ ہوا

ہے یہ دورِ تسلسلِ شب و روز — نہ ہوا گر ہوا ہوا نہ ہوا

ہوا ہوا نہ ہوا تو ٹھیک ہے مگر امیر صاحب نے دونوں جگہ گر بھی اضافہ کر دیا ہے اور معلوم نہیں کہاں تک حق بجانب ہیں۔ پہلے شعر کا مفہوم صاف ہے مگر میری رائے ناقص میں الفاظ سے کما حقہ ادا نہیں ہوتا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ نقشِ ہستی، نقطۂ اقلیدس کی طرح موہوم شے ہے اور اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے مگر غور کیجئے کہ الفاظ سے یہ مطلب کہاں تک ادا ہوتا ہے۔ صرف نقطۂ موہوم تو کوئی بات نہیں ہوئی جب تک یہ نہ کہا جائے کہ نقطۂ اقلیدس کی طرح موہوم جب تک نہ کوئی معنی ہی پیدا ہوتے ہیں نہ کوئی لطف اب دوسرے مصرع کی تجزی و تحلیل کیجئے "کیا ہوا اگر ہوا" کے معنی ہو سکتے ہیں کہ "اگر ہوا بھی تو کیا" یعنی ہونا نہ ہونا برابر ہے مگر پھر "ہوا نہ ہوا" کیا بلا ہے اور کیوں خواہ مخواہ شعر پورا کرنے کے لیے بڑھا دیا گیا ہے۔ دوسرا شعر میری سمجھ سے بالاتر ہے قصورِ فہم کو کیا کروں مجبور ہوں۔ آپ ہی کوئی ایسا مطلب پیدا کر دیجئے جو الفاظ سے بھی مستنبط ہوتا ہو۔

امیر صاحب نے امیر کے اس مطلع کی خصوصیت سے تعریف کی ہے۔

وعدۂ گر خوگرِ وفا نہ ہوا — ہے برابر ہوا ہوا نہ ہوا

فرمایئے جو شخص اس مطلع کو اور بالخصوص پہلے مصرع کو قابلِ دید بتائے اس کے متعلق کیا رائے قائم کیجئے گا۔ وعدہ کو خوگرِ وفا کہنا نہایت بڑے قسم کا مجاز ہے۔

میری آزاد رائے یہ ہے کہ امیر صاحب پرانے مولوی ہیں اور خوش قسمتی سے یا بدقسمتی سے شعر بھی کہہ لیتے ہیں اور شاگردوں کو اپنے دامِ استادی میں اسیر کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ "عنقا را بلند است آشیانہ"

نیازمند

منموہن لال

(۴)

بریلی ۰۱ر جون ۱۹۲۲ء

مخدوم محترم تسلیم حقیقت یہ ہے کہ ہجومِ تفکرات کے باعث آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پچھلی مرتبہ تو عذرِ علالت کی تو ئی اوڑھ کر حاضری کی جسارت کی تھی مگر اب ہر مرتبہ ایسی علالت کہاں سے دوں خیر میری خموشی کو ہی نوع از جنوں سمجھ لیجئے اور پہلے کی طرح درگزر فرمایئے۔

حالاتِ سفر کے بارے میں جو مفصل گرامی نامہ مرحمت ہوا تھا اس کے لیے شکریہ قبول فرمایئے غالباً کرمِ خاص کی یہ قسطِ اولین تھی لیکن بقیہ اقساط کا کس منہ سے تقاضا کروں! صرف یہ امید مایوس نہیں ہونے دیتی کہ باوجود میری نااہلی کے جب ہمیشہ بے سبب نوازشیں ہوتی رہی ہیں تو آئندہ بھی ہو سکتی ہیں۔

"شاعر" سے میرا کوئی کسی قسم کا تعلق نہیں۔ اس کے مدیر بابو راجا بہادر لال ماسٹر مصری لال صاحب کے فرزندِ اکبر ہیں اور شمیم تخلص کرتے ہیں۔ [illegible]

شاہکار

اشفاق احمد اعظمی

خواب زاروں میں تخیل کے جنم پاتی ہے
روز اک صبح نئی
روز اک شام نئی
میری تسکین تمنا کے لیے
میری امید ــــ!
روز چھلکاتی ہے اک جام نیا
بزم تخیل کا جام
اور سوچوں کے شبستاں میں چراغاں کرتی
روز لیتی ہے جنم
خون دل اپنا پیے
نور و نکہت میں ڈھلی
نظم اک ہنستی ہوئی
ترم رنازک اندام
اپنے ہونٹوں پہ لیے زیست کا
کوئی پیغام ــــ!
میری محتاج نظر
ایک مری نظم مگر
نغمہ ہونٹوں میں لیے
اور نگاہوں میں سحر
ایک مدت سے خموش
دیکھے جاتی ہے مجھے
بازوؤں سے مری تخئیل کے نالاں ہے بہت
کیوں ادھر اٹھتے نہیں
میں بھی خود سوچ رہا ہوں متوجہ کر کے
آج تک اس کی طرف
مجھ سے کیوں چوک ہوئی
چند لا فانی نقوش میری اس نظم میں ہیں
دھندلے دھندلے سے ابھی
ہونٹ رکھتی ہیں مگر بات کر سکتے نہیں
سوچتا ہوں انھیں ہونٹوں پہ
سجا دوں نغمہ
اپنی ہستی کو مٹا کر کہ مٹا کر خود کو
اپنی اس نظم کو ــــ
آج شہکار بنا ڈالوں میں
ایک جیتی ہوئی تصویر بنا ڈالوں میں
صرف خوابوں کی سحر کام نہیں آسکتی!!

صفحہ ۴ سے آگے

تخلص کی وجہ سے میرے دو ایک اور مہربان بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو چکے ہیں "شمارع" میری رائے میں تو نہایت ادنیٰ درجہ کا پرچہ ہے لیکن تعجب ہے کہ باوجود اسی کی ذور کے بلوچستان تک اس کی روشنی پہونچ گئی معلوم ہوتا ہے کہ کمال صاحب یا بھائی صاحب نے بری کا پرچہ سمجھ کر آپ کے پاس بھیج دیا، ویسے تو رسائی کی کوئی صورت معلوم۔

تیر صاحب کے معاملات نہ تو خط کے ذریعہ سے اچھی طرح میری سمجھ میں ہی آئے اور نہ خط کے ذریعہ ان کا قابل اطمینان جواب ہی دیا جا سکتا ہے۔ میں برابر یہ کوشش کرتا رہا کہ خود تیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں لیکن یہ سعادت حاصل نہ ہو سکی کوئی چوتھا روز ہے کچہری میں ملاقات ہو گئی تھی مگر وہاں مفصل گفتگو کا موقع نہ تھا اور تیر صاحب کی معروفیت نے اس کی اجازت بھی نہ دی، غریب خانہ پر تشریف لانے کا وعدہ کیا ہے اور میرا ارادہ بھی ان کی خدمت میں حاضری کا ہے، دیکھیے کون سبقت کرتا ہے۔ تیر صاحب کو دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا تغیرات زمانہ کی نہایت درد انگیز تصویر ہیں ان کی پیہم پریشانیوں نے ان کو اس مقام پر پہونچا دیا ہے جہاں جنون و ہوش کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں۔ پروردگار اپنا رحم کرے۔

شاید کسی خط میں آپ نے فانی صاحب کے متعلق بھی دریافت فرمایا تھا آج کل اٹاوہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور ایکسٹنا قی اسٹر صاحب کمال جیسی کچھ وکالت کر سکتے ہے کر رہے ہیں۔ چھ سات مہینے بعد پرسوں ایک خط ان کا آیا تھا، چند اشعار تازہ بھی مرحمت فرمائے ہیں آپ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

شوق نگاہوں کی اللہ رے رسوائی ــــ میں محو تماشا ہوں دنیا ہے تماشائی
تیری ہی نگاہوں کے سب دیکھنے والے تھے ــــ تقدیر مگر دیکھی تدبیر نہ کام آئی
بر پیر توجہ تھا اک خط پیمانہ ــــ محفل سے جو وہ اٹھے لیتے ہوئے انگڑائی
پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا ــــ جب ذکر بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

لاؤ کچھ تکملہ شوق کا ساماں کرلیں ــــ دل بیتاب کو بھی دیدۂ حیراں کرلیں
ہر نفس وقف خیال رخ جاناں کرلیں ــــ زندگی ہجر میں دشوار ہے آساں کرلیں
داد مظلوم نگاہی بھی تو لے لینے دے ــــ ٹھہر اے موت کہ قاتل کو پشیماں کرلیں

جو تاب دلنوازئی درماں نہ لا سکے ــــ میں ہوں وہ درد نخلکدۂ روزگار میں
ہے عکس روئے دوست پہ کیا پرتو مجاز ــــ میری نظر بھی کھنچ گئی تصویر یار میں
قربان اک ادائے تغافل پہ لاکھ بار ــــ وہ زندگی جو صرف ہوئی انتظار میں
دعویٰ یہ ہے کہ دوری معشوق ہے محال ــــ مطلب یہ ہے کہ قرب نہیں اختیار میں

آپ کا
منصور حسن

ایک مثالی انجمن

محمد وزیر اعلیٰ
(سکریٹری شاخ انجمن ترقی اردو چندرپور)

نقادوں کا یہ کہنا کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کچھ نہیں کر رہی ہے عملی میدان میں ایک دم کوری ہے اس کا کردار مجروح ہے اور اس کی شاخیں معطل ہیں یہ ویسی ہی ہے جیسے تنقید برائے تنقید، تلاش و تحقیق اور اصلیت کی کھوج اس لیے ضروری نہیں کہ مقصد محض مخالفت ہے جس میں ہر جھوٹ جائز ہوتا ہے اور ہر گالی کلمۂ مقدس۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ انجمن کی شاخوں کی جس نہج پر تنظیم ہونی چاہیے تھی اور اس کے کارکنوں میں جیسا جوش عمل ہونا چاہیے تھا وہ سرے سے تو نہیں مگر بڑی حد تک مفقود ہے اور اس کی ذمہ داری مرکز پر کم اور صوبائی شاخوں پر زیادہ ہے بلکہ ان حامیان اردو پر اور زیادہ ہے جو انجمن سے دور رہ کر تماشہ دیکھنے کے عادی ہیں اور اس عادت کو اس مخالفت اور تنقید میں چھپا لیتے ہیں جو وہ اپنے قلم گوہر رقم سے کبھی کبھار فرما دیا کرتے ہیں۔ میں یہ سطور کسی تنقید کے جواب میں نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ میں یہاں ایک ایسی انجمن کے کاموں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو انجمن کی برائے نام شاخوں اور تنقید کے عادی نقادوں کے لیے ایک مثال بن سکتی ہے۔

چندرپور (چاندہ): مہاراشٹر کا وہ شہر ہے جس کا علاقہ اپنے جنگلات اور اس میں بسنے والے تہذیب و تمدن سے دور آدی باسیوں کے عجیب و غریب رسم و روایت کے لیے ہندوستان ہی میں نہیں یورپ کے بعض علاقوں میں بھی مشہور ہے انگریز اسے بیک ورڈ علاقہ کہتے تھے اور ہماری اپنی حکومت اسے غیر ترقی یافتہ آدی باسیوں کا ضلع کہتی ہے دو ہزار سال سے بھی زیادہ پرانی تاریخ رکھنے والا "گونڈوانے" کا یہ صدر مقام جن میں زبانوں کا سنگم ہے ان کا ادبی مقام کہیں اور خواہ کچھ بھی ہو لیکن یہاں یہ ایک زبان کی حیثیت سے بھی کوئی مقام نہیں رکھتی مرہٹی جو یہاں کی اکثریت کی زبان ہے گونڈی زبان سے متاثر ہے اور تلگو جو دکن سے لگے ہوئے علاقے سے تلنگوں کے ساتھ آئی اپنی اصلیت کھو چکی ہے اس پر ماڑھی (گونڈی کی ایک شاخ) کی چھاپ نظر آتی ہے رہی ہندی تو زبان کی حیثیت سے یہاں اس کا کوئی وجود نہیں ہے چاندہ شہر میں جو زبان بولی جاتی ہے بطور ہندی وہ مذکورہ تینوں زبانوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ رہی اردو تو بحیثیت فارسی اس کا تعلق گونڈ راجاؤں سے صدیوں پرانا ہے فیروز شاہ تغلق سے گونڈ راجاؤں کو نسبت خاص رہی ہے اور اس نسبت کا اظہار آج بھی لفظ "شاہ" سے ہوتا ہے جو بہت سے گونڈ خاندانوں خصوصاً راج گونڈوں کے ناموں میں نظر آتا ہے چاندہ کے موجودہ معزول راجہ کا نام "اکبر شاہ" ہے یہاں گنجائش نہیں ہے کہ اس کی تاریخ کا پس منظر بیان کیا جائے لیکن اردو کے تعلق سے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس جنگلی علاقے سے ماضی میں مسلمانوں کا کیا تعلق رہا ہے لیکن اس کی تفصیلات بھی وسعت چاہتی ہیں اس لیے اجمالی طور پر اتنا بتا دینا کافی ہے کہ پٹھان اس علاقے میں گونڈ راجاؤں کے محافظوں کی حیثیت سے آئے تھے جب کہ گونڈوں کو مرہٹوں سے خطرات لاحق ہو گئے تھے اور ان کی عسکری طاقت ان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ ان پٹھانوں کی زبان فارسی یا پشتو رہی ہوگی اور انہیں یہاں کے عوام سے اپنا ربط قائم کرنے کے لیے گونڈی زبان سیکھنی پڑی ہوگی چنانچہ اس کے اثرات آج تک یہاں ان مسلمانوں کی زبانوں میں ملتے ہیں جو نسلوں سے یہاں بسے ہوئے ہیں اور ان کا ایک محلہ "پٹھان پورہ" آج بھی یہاں آباد ہے اور ان پیروں اور بزرگوں کا تو شمار نہیں جو شہر چاندہ اور اطراف میں مدفون ہیں اور جن کی درگاہوں کو گونڈوں نے بڑی بڑی زمینیں دے رکھی ہیں لیکن عجب بات یہ ہے کہ پٹھان سپاہیوں نے چند مسجدوں اور مزاروں کے سوا اپنی تہذیب کی کوئی نشانی یہاں نہیں چھوڑی بلکہ الٹے گونڈوں کے رسم و رواج میں رنگ گئے جس کے ثبوت آج بھی یہاں کے کچھ مسلمانوں کے رہن سہن اور رسم و رواج سے مل جاتے ہیں غالباً یہ اثرات ان اختلاط کے ہیں جو گونڈوں میں شادی بیاہ سے ان پر پڑے۔

زیادہ نہیں صرف پچاس سال پہلے تک یہاں کے مسلمان اردو نام کی زبان تک سے واقف نہیں تھے ان کی مادری زبان گونڈی تھی یا تلگو آمیز گونڈی تھی یا پھر مرہٹی آمیز گونڈی۔ نام البتہ پٹھان خان وغیرہ تھے ظاہر ہے کہ جب اس کے پڑوس (حیدرآباد دکن) میں اردو جوان ہو رہی تھی تو یہاں کا مسلمان اس کے نام تک سے واقف نہیں تھا۔ اگر کوئی دکنی مسلمان بحیثیت سرکاری ملازم یا افسر یہاں آ جاتا تو وہ اس کی زبان کو دکنی زبان کے نام سے پکارتے تھے۔ یہاں عربی کے جس پہلے مدرسے کا پتہ چلتا ہے اس کی عمر بھی چالیس سال سے زیادہ نہیں ہے اس کا تعمیر کرنے اور جاری کرنے والا مسلمان بھی اس علاقے کے باہر کا تھا اور اردو اسکول کی بنیاد بھی ایک ایسے ہی علم دوست افسر کی توجہ سے پڑی جو کسی اور علاقے سے آیا تھا۔ اس میں سب سے پہلے جن بچوں نے داخلہ لیا ان کے ماں باپ بھی باہر سے ہی بسلسلۂ ملازمت یہاں آئے تھے اور آج سے پچیس سال پہلے تک بھی جن بچوں کے اس اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کا پتہ چلتا ہے ان میں نوے فیصد باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں کے بچے ہوتے تھے اس اردو اسکول کی عمر تیس سال سے زیادہ نہیں ہے، سال گزشتہ تک اس ایک اردو اسکول میں صرف ۸۰ بچے اردو پڑھتے تھے ان میں بیشتر بچے باہر سے آ کر بسے ہوئے مسلمانوں کے ہی تھے اس سے پہلے کے برسوں میں اس اسکول میں اتنی سے زیادہ بچے کبھی داخل نہیں ہوئے حالانکہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں مسلمانوں کی آبادی کوئی ساڑھے تین ہزار تھی۔ ایسا نہیں ہے کہ باقی مسلمانوں کے بچے تعلیم ہی حاصل نہیں کرتے تھے بلکہ ایک بڑی تعداد ان مسلمان بچوں کی مرہٹی اسکولوں میں داخلہ لیا کرتی تھی اور آج بھی لیتی ہے۔

اب آئیے انجمن ترقی اردو (ہند) کی اس شاخ کی جانب جس کو یہاں قائم ہوئے صرف پانچ ماہ ہوئے ہیں اور ان پانچ ماہ میں اس نے پچاس برسوں کا کام کیا ہے۔

فیض انصاری صاحب نے اس شاخ کے قیام کے وقت اپنی تقریر میں بتایا تھا کہ انجمن ترقی اردو کی شاخ کی چاندہ میں تشکیل کوئی نئی نہیں ہے آج سے ۱۵ برس پہلے یہاں انجمن کی شاخ قائم کی گئی تھی لیکن اس کی عمر چند ماہ سے زیادہ نہیں رہی میں چاہتا ہوں کہ موجودہ شاخ چند ماہ میں وہ کام کر دکھائے کہ اردو زبان کی تاریخ چاندہ کے حامیان اردو کو کبھی فراموش نہ کر سکے۔ میں نہیں جانتا کہ اردو کا مورخ اس دور دراز علاقے کے خادمان اردو کی تاریخ لکھتے وقت یاد رکھے گا یا نہیں لیکن فیض انصاری صاحب کے الفاظ میں ایک ایسی نہج جو چاندہ کی شاخ نے کر دکھایا ہے۔

ایک سال پہلے فیض انصاری صاحب جو اپنے کاروبار کے سلسلے میں یہاں قیام پذیر تھے چند سرپرست نوجوان ملے اور ان سے کہا کہ ہم یہاں اردو کا ہائی اسکول کھولنا چاہتے

ہیں ہماری مدد کیجیے۔ فیض انصاری صاحب جو یہاں کے پرائمری اسکول سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ہائی اسکول تو الگ رہا مڈل اسکول کے لیے بھی یہاں اردو کے بچے نہ مل سکیں گے ان سرپھرے نوجوانوں کے عزم پر ہنس پڑے لیکن جیسے ہی انھیں معلوم ہوا کہ یہ سرپھرے نوجوان جو اردو ہائی اسکول کھولنا چاہتے ہیں خود اردو زبان سے بے بہرہ ہیں تو وہ اچھل پڑے اور کہا یہاں اردو کا ہائی اسکول ضرور کھلے گا جب زبان ہی اتنا سوچ ہے کہ وہ اپنے سے ناواقفوں کو ہائی اسکول کھولنے پر آمادہ کر سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کی حوصلہ مندی اسکول کھول کر رہے چنانچہ فیض صاحب ان نوجوانوں کو لے کر بیٹھ گئے اور ایک رات میں رفیع احمد قدوائی میموریل ایجوکیشن سوسائٹی کا کانسٹی ٹیوشن تیار کر دیا اور پھر پندرہ دن کے اندر ہی وہ صبح نمودار ہوئی جس میں رفیع احمد قدوائی اردو ہائی اسکول کے فنڈ کے لیے ایک ہی نشست میں پانچ ہزار روپے جمع ہو گئے۔ ایک بلڈنگ مدرسہ ناصر الاسلام کی مل گئی دوسرے ہفتے میں فرنیچر آ گیا اور ۲۷ر جون ۱۹۶۵ء کو مڈل اسکول کی پہلی کلاس ۳۰ بچوں سے کھل گئی جس کے لیے ایک گریجویٹ اور ایک انڈر گریجویٹ استاد رکھ لیا گیا۔ ۳۰ بچے جن کو داخلے کے لیے مجبور کیا گیا تھا سوچ رہے تھے کہ ہم اردو پڑھیں گے کیسے جب کہ ہمیں یہ لکھنی تک نہیں آتی ان تیس بچوں میں مشکل سے دس بچے اتنی اردو جانتے تھے کہ صحیح املا لکھ سکیں باقی تمام بچے مرہٹی اسکولوں سے لائے گئے تھے لیکن فیض صاحب نے جن استادوں کو معقول تنخواہوں پر اس اسکول کے لیے رکھا تھا وہ محض اسکول کے ملازم نہیں تھے انھیں احساس تھا اور ہدایت بھی تھی کہ اردو سے ناواقف بچوں کو چند ماہ کے اندر اس لائق بنا دیا جائے کہ وہ سخت سے سخت امتحان میں بھی کامیاب ثابت ہوں آپ کو تعجب ہوگا کہ ان بچوں میں دو بچیاں ایسی تھیں جو چند ہفتے پہلے ہی سیدھی سورت گجرات سے چاندہ آئی تھیں اور گجراتی زبان و رسم خط کے سوا اردو یا عربی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتی تھیں لیکن جب سالانہ امتحان ہوا تو یہ دونوں بچیاں اردو مضمون اور املے میں اول آئیں۔

لیکن اس سے بھی سخت امتحان کا مقام تو اس وقت آیا جب مہاراشٹر گورنمنٹ نے آٹھویں جماعت تک مڈل اسکول کھولنے کی اجازت دی یعنی پانچویں کے تیس بچوں میں سے ۲۷ پاس ہوئے تھے چھٹی جماعت میں کم از کم تیس بچے مطلوب تھے ساتویں اور آٹھویں میں کم از کم دس دس ضروری تھے ورنہ گرانٹ ملنا ممکن نہ تھی۔ اس کے ساتھ ایک اہم مرحلہ یہ تھا کہ شہر میں اردو کا ایک اسکول ہے اور اس میں بچے ڈیڑھ سو۔ آئندہ سال ہم مڈل اسکول کو ہائی اسکول کیوں کر بنا سکتے ہیں۔

فیض انصاری صاحب نے پھر وہ قدم اٹھایا جس کو پیشین گوئی کے طور پر انجمن کا ابھی ذکر ہو چکا ہے یعنی ۱۰ر مارچ ۱۹۶۶ء کو انھوں نے انجمن ترقی اردو کی شاخ تشکیل دی اور ۱۲ر مارچ سے اسی انجمن نے فیض صاحب کے پلان پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ انجمن کے سرگرم اور کبھی نہ تھکنے والے کارکن دو حصوں میں بٹ گئے ایک ٹولی نے میونسپل کمیٹی پر دھاوا بول دیا اور دوسری نے شہر کے اُن بچوں کا سروے شروع کر دیا جو مرہٹی یا ہندی کے چھٹویں اور ساتویں درجوں میں تھے کہ اردو کے ساتویں اور آٹھویں درجوں میں داخلہ لینے پر آمادہ ہو سکیں۔ انجمن کی ان دونوں جماعتوں نے یہ کام بغیر کسی ہنگامے کے اس طرح انجام دیا کہ جو لوگ اس کام کو ناممکن سمجھ رہے تھے انگشت بدنداں رہ گئے۔ ۱۰ر جولائی ۶۶ء کو رفیع احمد قدوائی اسکول مکمل مڈل اسکول بن گیا اور اس کے تیسرے دن پورے ۲۰ سال کے بعد چاندہ کے واحد اردو پرائمری اسکول (جو آزادی کے بعد سے مولانا آزاد کے نام سے منسوب ہے) کے رجسٹر میں پہلی بار ۲۲ اردو پڑھنے والے بچوں کے نام درج ہوئے داخلہ برابر جاری ہے۔ اس طرح انجمن ترقی اردو شاخ چندرپور نے میونسپلٹی کے اس چیلنج کا جواب دے دیا جو اس نے ۶ر جولائی کو اس لیے دیا تھا کہ بہت سے بچے مرہٹی اسکولوں میں داخلے لے چکے تھے انجمن اپنے وعدے کے مطابق دو سو بچے کہاں سے داخل کروا سکے گی لیکن انجمن کے پرجوش کارکنوں نے اس سے کچھ زیادہ ہی بچے داخل کروا دیے اور مزید پچاس بچے داخلہ لینے والے ہیں۔

اب سنیے کہ انجمن نے ان کاموں کو کس طرح انجام دیا۔ اول تو اس نے عام چندے نہیں کیے جنتا ایثار پسند دلوں سے ہی سارا سرمایہ مل گیا دوسرے بڑے بڑے جلسے منعقد نہیں کیے گئے البتہ فیض صاحب نے کئی بار خصوصی جلسوں میں تقریریں کیں اخبارات کو تشہیر کا ذریعہ نہیں بنایا گیا بلکہ اردو کو دستورِ ہند نے جو حق دے رکھے ہیں اور حکومت مہاراشٹر نے اس سلسلے میں جو یقین دہانیاں کی ہیں انھیں کا سہارا لیا گیا اور متعلقہ محکمہ جات سے مسلسل خط و کتابت ہوتی رہی البتہ دو بار اس ضلع کے انچارج منسٹر سے ملاقاتیں کی گئیں اور انھیں مقدمہ سمجھایا گیا تیسرا اور سب سے اہم طریقہ کار وہ تھا جو کارکنوں کو بچے داخل کرنے کے سلسلے میں اختیار کرنا پڑا یہ سب سے مشکل مرحلہ ثابت ہوا وجہ یہ تھی کہ یہاں کے مسلمانوں کی اکثریت اردو سے بہت دور ہے ایک نسل سے یہ اپنے بچوں اور بچیوں کو مرہٹی اسکولوں اور ہائی اسکولوں میں داخل کرواتے آئے ہیں کبھی کسی نے انھیں اردو کی تعلیم کی اہمیت نہیں بتائی بلکہ الٹا ان کے دماغوں میں بھر دیا گیا کہ اگر تم اپنے بچوں کو مرہٹی نہیں پڑھاؤ گے تو ان کو نوکریاں نہیں ملیں گی خوف یہ ہے کہ یہاں زیادہ تر مسلمان ملازمت پیشہ ہی ہیں پہلے مرحلے میں تو کارکنوں کو سخت مایوسی ہوئی لیکن فیض صاحب کے حوصلے نے ان کے حوصلے دوبارہ بندھائے اور فیض صاحب بذاتِ خود اس مہم میں شریک ہو گئے جون کی چلچلاتی دھوپ میں محلے محلے اور گلی گلی گھومتے رہے جناب معتمد [illegible] فیض صاحب سب سے ایک ہی بات کہتے تھے کہ اردو پڑھوانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بچے مرہٹی نہیں پڑھیں گے وہ اردو کے ساتھ مرہٹی بھی پڑھیں گے بلکہ قومی زبان ہندی بھی سیکھیں گے۔ جو اردو اور مرہٹی پڑھنے سے ان کو بغیر کسی محنت کے آ جائے گی فیض صاحب کی یہ بات ہر مسلمان کے دماغ میں اترتی چلی گئی اور مشکل مرحلہ حل ہوتا چلا گیا اور بالآخر ایسا حل ہوا کہ قدوائی مڈل اسکول کی پانچویں کلاس میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے داخلہ بند کر دینا پڑا۔

انجمن کی اس شاندار کامیابی میں شاخ کے جن بلند حوصلہ کارکنوں اور عہدیداروں کا ہاتھ ہے ان میں سرفہرست ہیں جناب عبدالصمد صاحب عمدہ میاں صدر انجمن جناب عبدالقادر شیخ محمد نائب صدر، جناب خلیل الرحمٰن صاحب، جناب خلیل احمد صاحب، جناب وحید نظامی صاحب، جناب غلام عباس صاحب، جناب کوثر نظامی صاحب، جناب عبدالسلام صاحب، جناب شیخ امام صاحب اور جناب ظہیر الحسن صاحب مگر قدوائی اسکول کا ایک طالب علم رفیق احمد سب سے [illegible] ثابت ہوا۔

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ انجمن ترقی اردو بے عملوں کی جماعت ہے اور اور اس کا کردار ناقابلِ فہم ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اقبال

مراسلات

"م کے استفسار پر"

۸ جون ۶۶ء کے ہماری زبان میں یہ فارسی اشعار اور مصرعے کن شاعروں کے نتیجۂ فکر ہیں[1] کے زیر عنوان ایک مراسلہ شائع ہوا

دو شعروں کے شاعر کا نام اور حوالہ درج ذیل ہے

می کشد شعلہ سرے از دلِ صد پارۂ ما
جوشِ آتش بود امروز بہ فوارۂ ما

یہ شعر نعیمی کا تحریر کردہ ہے حوالے کے لیے دیکھئے "غبار خاطر" (از مولانا ابو الکلام) میں صفحہ ۲۲۶ پر

چو دست می بری اے تیغ عشق اگر وا دست
ببر زبان ملامت گر زلیخا را

یہ شعر بھی انیسی ہی کا تحریر کردہ ہے حوالے کے لیے دیکھئے "غبار خاطر" میں صفحہ ۳۳۵ پر

مندرجہ ذیل اشعار اور مصرعے بھی غبار خاطر میں پائے جاتے ہیں مگر کن شعرا کے تحریر کردہ ہیں اُن سے منسوب نہیں کیے گئے ہیں۔

باز می خواہم ز سر گیرم رہِ بیہودہ را (ص۔ ۵۹)

از ساز برگِ قافلۂ بیخوداں مپرس
بے نالہ می رود جرسِ کاروانِ ما

(ص۔ ۲۳۰)

گاہے گاہے باز خواں ایں دفترِ پارینہ را   تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

(ص۔ ۵۳)

چو تخم اشک بر کلفت سرشتہ اند مرا   بنا امیدی جاوید کشتہ اند مرا
ز آہ بے اثر و داغ خام کاری خویش   ز آتشے کہ ندارم برشتہ اند مرا

(ص۔ ۸۴)

اگر دستے کنم پیدا نمی یابم گریباں را

(ص۔ ۲۵۸)

بہ قوم اصحاب معنی را بہ رنگ اصحاب صورت را

(ص۔ ۲۳۷)

خور رفتہ ایم و کنج مزارے گرفتہ ایم   تا بہ زدوش کس نشود استخوان ما

(ص۔ ۳۳۱)

مندرجہ بالا اشعار مصرعے اور دیگر اشعار بھی کن شعرا کے تحریر کردہ ہیں ناظرین "ہماری زبان" اس کے متعلق کچھ لکھیں تو میں ممنون ہوں گا۔

(ایس نجم الحسن انجم ادیب)

[1] نظر ثانی کر چکے ۔ آگ دیرنہ حصہ جیپگ شعر ہے ... نسخۂ ... صفحہ ۲ ، صفحہ ۳۰۰ (ادارہ ہماری زبان)

آل انڈیا ریڈیو کا نیا اردو پروگرام

(آل انڈیا ریڈیو دہلی نے ۱۵ مئی ۶۶ء سے اردو کا خاص پروگرام پیش کرنا شروع کر دیا ہے لیکن short wave پر ہونے کے باوجود یہ مخصوص پروگرام عوام تک آسانی سے نہیں پہنچ پاتا اس لیے کہ ٹرانسمیٹر بہت کمزور ہے۔ بڑی ہی جستجو کے بعد میٹر ہاتھ بھی آ جاتا ہے تو شور و غل اور دیگر میٹروں کے دریا jam ہو کے رہ جاتا ہے صاف سنائی نہیں دیتا۔ آل انڈیا ریڈیو کے ارباب حل و عقد اس طرف توجہ کریں۔ اس سلسلے میں ایک مراسلہ انڈین ایکسپریس کی ۲۵ جون کی اشاعت میں لکھ چکا ہوں۔

(فرحت کیفی)

ایک استفسار کا جواب

دل آپ کا ؟ کہ دل میں جو کچھ ہے سب آپ کا
دل لیجئے مگر مرے ارمان نکال کے

اس شعر کے متعلق ۱۵ جون ۶۶ء کے "ہماری زبان" میں جناب ت۔ اسماعیل صاحب نے استفسار فرمایا ہے۔

اطلاعاً عرض ہے کہ یہ شعر مرزا غالب کا ہے۔ حوالے کے لیے دیکھئے "دیوان غالب" (مشورہ بک ڈپو کا پاکٹ ایڈیشن) میں صفحہ ۲۰۷ پر متفرق اشعار کے تحت یہ شعر یوں ہے ۔

دل آپ کا کہ دل میں ہے جو کچھ سو آپ کا
دل لیجئے مگر مرے ارمان نکال کے

(ایس نور الحسن انور ادیب)

مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کی گذارش

مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کی دعوت "ہماری زبان" کے ذریعہ دی جاتی ہے، تشریح تو مطلوب ہے ہی مگر خاص طور پر اقبال کے شعر کی صحیح قرات بھی جاننا چاہتا ہوں۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی (اقبال)

چلی بھی جا جرس غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نو بہار ٹھہرے گا (مصحفی)

ابھی بزم طرب سے کیا اٹھوں میں
ابھی تو آنکھ بھی پرنم نہیں ہے (مجاز)

(عبد الحی رضا)

---

[1] نسخۂ عرشی صفحہ ۳۱۰ زیادگار نالہ) عرشی صاحب نے یہ شعر اسی طرح بحوالہ ارمغان غالب ص ۲۵۵ درج کیا ہے۔ ادارہ ہماری زبان

[2] دیوان غالب مرتبہ مالک رام صفحہ ۲۲۳ (فردیات) ادارہ ہماری زبان

انجمن ترقی اردو چندرپور کا ایک خصوصی جلسہ

چندرپور ۲۰ جولائی۔ انجمن ترقی اردو شاخ چندرپور کا ایک غیر معمولی جلسہ ۶ جولائی کو انجمن کے صدر جناب حمید الصمد کے آفس میں ہوا جس میں مندرجہ ذیل تجاویز پاس کی گئیں۔

(۱) انجمن کا یہ غیر معمولی جلسہ ناگپور یونیورسٹی کے لازمی زبانوں کے قانون میں ترمیم کے فیصلے کی مذمت کرتا ہے۔ انجمن کے خیال میں یہ فیصلہ کھلی ہوئی اردو دشمن پالیسی کا نتیجہ ہے اور ارباب حل و عقد کا اردو داں عوام کو مادری زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے حق سے محروم کرنے کی کوشش ہے جلسہ کے خیال میں ناگپور یونیورسٹی ایک سوچے سمجھے پلان کے تحت اردو کو اس علاقہ سے ختم کرنا چاہتی ہے۔

(۲) یہ جلسہ مہاراشٹر کے گورنر جو ناگپور یونیورسٹی کے چانسلر بھی ہیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈیمک کونسل کے فیصلے سے اقلیتی فرقے میں غم و غصہ اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ان کو اس بات سے شدید تکلیف پہونچی ہے کہ انھیں اپنی مادری زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے اور عالی جناب گورنر سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنی خصوصی اختیارات سے اکیڈیمک کونسل کے اس نامنصفانہ فیصلے کو منسوخ کر دیں۔

(۳) یہ جلسہ انجمن ترقی اردو مہاراشٹر سے گزارش کرتا ہے کہ وہ جلد اس سلسلے میں مؤثر اقدام اٹھائے اور اکیڈیمک کونسل کی اس قرارداد کے خلاف اردو داں عوام کی رائے ہموار کرنے کے لیے ایک اردو کانفرنس بلائے۔

(محمد زبیر علی سکریٹری)

ناگپور یونیورسٹی کے کالجوں میں
اس سال اردو ذریعہ تعلیم رہے گی!

ناگپور۔ یونیورسٹی کے کالجوں میں اس سال بھی اردو ذریعہ تعلیم کی سہولت برقرار رہے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ یونیورسٹی ایگزیکیٹو کونسل نے اکیڈیمک کونسل کی سفارشات کی پیدا شدہ مخالفت کے پیش نظر اس معاملہ پر دوبارہ غور کرنے کا اکیڈیمک کونسل کو مشورہ دیا ہے۔

اب ماہ ستمبر اکیڈیمک کونسل اس معاملے پر غور کرے گی۔

(الجمعیۃ)

ناگپور یونیورسٹی کے اردو تعلیم ختم کیے جانے کے خلاف
۲۵ ادبی و تعلیمی اداروں کا جلسہ

کامٹی ڈاک سے شہری جمعیۃ علماء کے زیر اہتمام حاجی عبدالغفور صاحب صدر شہری جمعیۃ علماء کی صدارت میں تقریباً ۲۵ ادبی سماجی و تعلیمی اداروں کا مشترکہ جلسہ پبلک لائبریری گوجری بازار منعقد ہوا۔ اختر انصاری نے ناگپور یونیورسٹی کے فیصلے کی اپنی تقریر میں وضاحت کی۔ عبداللہ زکریا فاروقی نے تجویز پیش کی اور بابو عبدالرشید خاں صاحب کی مؤثر تقریر کے بعد تجویز متفقہ طور پر منظور کی گئی۔

یہ محفل کامٹی کے مختلف ادبی اور تعلیمی اداروں کا مشترکہ جلسہ ناگپور یونیورسٹی کی اکاڈمک کونسل کے اس فیصلہ کے خلاف سخت احتجاج کرتا ہے جس کی رو سے ہندی اور مرہٹی کے علاوہ دوسری زبانوں کی تعلیم کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اس سے اس علاقے میں چلنے والے تعلیمی اداروں پر بڑا اثر پڑے گا۔ یہ جلسہ حکومت مہاراشٹر سے پرزور درخواست کرتا ہے کہ وہ اکاڈمک کونسل کے اس فیصلہ کو واپس لینے پر مجبور کرے۔ اور اس طرح اس ملک کی غیر مرہٹی اور غیر ہندی اقلیتوں کے ساتھ انصاف سے پیش آئے۔

اس تجویز کو حکومت مہاراشٹر کے پاس اور اس کی نقل اخبارات اور متعلقہ ذمہ دار حضرات اور حکومت ہند کو بھیجدی گئی۔

(الجمعیۃ)

مولانا حامد الانصاری غازی کے اعزاز میں شاخ برہانپور کی طرف سے استقبالیہ

۲ جولائی ۶۱ء صبح دس بجے جنتا لائبریری ہال میں مقامی انجمن کی طرف سے ایک شاندار استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی جس کی صدارت حضرت حشمت اللہ دیاسی صاحب نے فرمائی۔ سکریٹری انجمن اقبال نصیب نے مہمان محترم حامد الانصاری غازی کا استقبال کرتے ہوئے گلپوشی کی جناب حاجی صلاح الدین صاحب وائس پریسیڈنٹ نگر پالیکا نے مہمان موصوف کا مختصر تعارف کرایا کہ مولانا غازی جنگ آزادی کے بیباک سپاہی اور حق گو صحافیوں میں سے ہیں جناب مرزا ستار بیگ بی۔ اے۔ بی۔ ایڈ نے انجمن اور اس کے موجودہ مقامی مسائل پر تقریر فرمائی۔ آپ نے کہا برہانپور سے گورنمنٹ بیسک ٹریننگ اسکول نہیں جانا چاہیے ساتھ ہی سبھاش ہائی اسکول میں اردو سیکشن کے بے طلبہ کے داخلے پر پابندی سے اظہار تشویش فرمایا کہ ہمیں جلد اس طرف توجہ دینا چاہیے۔ یاد رہے کہ آج سے چار سال پہلے انجمن ترقی اردو برہانپور نے ہی اس اسکول میں اردو سیکشن جاری کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ معزز مہمان مولانا حامد الانصاری غازی صاحب نے فرمایا مجھے مقامی انجمن کے اراکین سے مل کر بیحد خوشی ہوئی۔ آپ نے فرمایا میرے لیے اردو کا مسئلہ زندگی کا ایک حادثہ ہے حالات سخت ہیں لیکن اردو بھی سخت جان ہے۔ اردو نے ملک کو دو جوہری ہتھیار دئے ہیں "آزاد ہندوستان" اور "انقلاب زندہ باد" آخر میں اقبال نصیب سکریٹری انجمن نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ تمام حاضرین کی چائے بسکٹ سوڈا پان وغیرہ سے تواضع کی گئی۔

(اقبال نصیب سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ برہانپور۔ ایم پی)

انجمن ترقی اردو پربھنی کا سالانہ جلسہ

مستقر ضلع پربھنی کی شاخ انجمن ترقی اردو کا عام سالانہ جلسہ ۱۲ جون ۶۱ء کو بی۔ رگھوناتھ ہال میں منعقد ہوا۔ اور سال گذشتہ کی رپورٹ پیش کی گئی۔ آمد و خرچ کا گوشوارہ بھی پیش ہوا۔

انجمن کے مقاصد اور وقت کے اہم مسائل پر جو اردو زبان کے تعلق سے پیدا ہیں مختلف حضرات نے اظہار خیال کیا۔ میر ہاشم علی صاحب ایڈوکیٹ اور

محمد مظفر علی خاں (نائب صدر مرہٹواڑہ) نے بہت ہی وسعت نظری کے ساتھ حالات حاضرہ کا جائزہ لیتے ہوئے مسائل کا تجزیہ کیا اور زبان اردو کے تعلق سے جو تعلیمی دشواریاں درپیش ہیں حاضرین کو ان کی جانب متوجہ کیا۔ اس کے بعد سال ۶۶-۶۷ء کے لیے نئی عاملہ (ورکنگ باڈی) کا چناؤ ہوا

حسب ذیل حضرات بالاتفاق منتخب ہوئے۔

(۱) صدر:۔ میر ہاشم علی صاحب ایڈوکیٹ

(۲) نائب صدر:۔ سیٹھ حاجی حبیب عبداللہ صاحب

(۳) معتمد:۔ میر مصطفیٰ علی صاحب منظلومی۔

(۴) شریک معتمد:۔ ماسٹر منگ الیشور دیال صاحب

بقیہ اراکین کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۵) محمد مظفر علی خاں ایڈوکیٹ

(۶) محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب ایڈوکیٹ، سابق ایم۔ ایل۔ سی

(۷) غلام یٰسین خاں صاحب ایڈوکیٹ

(۸) میر لاورت علی خاں صاحب ایڈوکیٹ سابق ایم۔ ایل۔ سی

(۹) عبدالرشید صاحب (۱۰) جلیل احمد خاں صاحب

(۱۱) عبدالرحیم خاں صاحب (۱۲) سریت راؤ صاحب سادگی کر

(۱۳) نانک راؤ صاحب اوپادھیے (۱۴) امام الدین صاحب پٹیل

(محمد مظفر علی خاں۔ نائب صدر انجمن ترقی اردو برائے اضلاع مرہٹواڑہ)

انجمن ترقی اردو برہانپور کا مشاعرہ

۲۳ جولائی برہانپور۔ انجمن ترقی اردو شاخ برہانپور کے زیر اہتمام ۳۰ جولائی ۶۶ء کو جینا لائبریری ہال میں جناب امداد حسین اثر کے اعزاز میں مشاعرہ منعقد ہوا۔ صدارت کے فرائض ہندی زبان کے مشہور شاعر برج لال یادو نے انجام دئے۔ جناب اقبال نصیب صاحب سکریٹری انجمن ہذا نے اثر صاحب کا تعارف کرایا اور انجمن کی تازہ رپورٹ پیش کی کہ سبھاش ہائی اسکول برہانپور میں جہاں اردو طلبا اس سال بہت کم لیے گئے ہیں اس سلسلے میں انجمن نے پرنسپل صاحب اور ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ آف ایجوکیشن ہوشنگ آباد کو تحریری طور پر لسانی حقوق کی بنیاد پر فوری توجہ دلائی ہے۔ ہال سامعین اور شعرا حضرات سے کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ شری برج لال یادو، مرزا ساز بیگ، امداد حسین اثر، فاضل انصاری، خورشید صاحب، نذیر اثر، اقبال نصیب، عزیزالدین عزیز، مکھن داس، دل صاحب، امی رتنابی، نصرت انصاری، اختر آصف، ارشد امیدی، صہبا انصاری اور فضل صدیقی نے اپنے اپنے بہترین کلام پر خوب داد تحسین بھی حاصل کی۔ مشاعرہ بیحد کامیاب رہا جس پر ہندی کے شاعر صدر مشاعرہ یادو بہت خوش ہوئے اور فرمایا میں انجمن کے اس مشاعرہ سے بہت متاثر ہوا ہوں آپ بھی ہمارے پروگراموں میں آیا کریں تو اچھا ہے جس پر اردو شعرا نے لبیک کہا۔ آخر میں شکریہ کے ساتھ سکریٹری انجمن جناب اقبال نصیب نے حاضرین سے نئی ممبر سازی کے لیے پرزور درخواست کی۔

عزیزالدین عزیز

(جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو برہانپور)

شاخ پٹیالہ کے زیر اہتمام طرحی مشاعرہ

۹ جولائی شام چھ بجے انجمن ترقی اردو پٹیالہ کے سرگرم ممبران کی طرف سے سنٹرل پبلک لائبریری میں ایک عظیم الشان طرحی مشاعرہ زیر صدارت جناب بی۔ ایل۔ آہوجہ آئی۔ اے۔ ایس کمشنر ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن پنجاب منعقد ہوا۔

میر مجلس جناب طالب شملوی نے طرحی مشاعرہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مطلب ہرگز کسی کا امتحان لینا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ اردو علم و ادب میں صحیح مذاق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ ازاں بعد جناب شباب ہرپانوی ایم۔ اے۔ پی۔ سی۔ ایس جنرل سکریٹری انجمن ہذا نے جناب طالب شملوی کی تائید کرتے ہوئے ایسے طرحی مشاعروں کو جاری رکھنے پر زور دیا کیونکہ اس قسم کے مشاعرے ترقی اردو کی خدمت کے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ کچھ شعرا کے شرکت نہ کرنے پر تعجب کا اظہار کیا۔

طرحی مشاعرہ کا افتتاح جناب آر۔ ڈی۔ سیال۔ و آنا۔ پی۔ سی۔ ایس ڈپٹی سکریٹری محکمہ بجلی بورڈ پنجاب نے کیا اور دوسرے دور کا افتتاح سردار ہربنس سنگھ بیج ایس۔ ای نے کرتے ہوئے فرمایا کہ طرحی مشاعروں کا اہتمام اردو ادب کے فروغ کے لیے نہایت موزوں قدم ہے اور ایسی سرگرمیوں کو اور تیز کرنے کے لیے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

مندرجہ بالا شعرا حضرات کے علاوہ جناب جگر جالندھری، جناب سوز شرمن، جناب اثر پارکھ، جناب ناظر صحرائی، جناب بگھور جندل، جناب ساز پٹیالوی، جناب راز ہرپانوی، جناب واجد، جناب دیوانہ، جناب نزہت گنوری اور پروفیسر نرلیش مالیر کوٹلوی نے طرحی مشاعرے میں شرکت فرمائی۔

پروفیسر وی۔ ایس سودی ڈائرکٹر محکمہ آثار قدیمہ۔ پریذیڈنٹ انجمن ترقی اردو پٹیالہ نے نہایت موزوں الفاظ میں صاحب صدر، شعرا حضرات اور سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں تعصب اور تنگدلی سے بالاتر رہتے ہوئے اردو ادب کی خدمت کرنی چاہیے۔ جو شعرا ایسے مشاعروں میں دانستہ شرکت کرنے سے گریز کرتے ہیں وہ دراصل اردو دوست نہیں بلکہ اردو دشمن کے مترادف ہیں۔ ان کا ایسا عمل اردو زبان کی ترقی کے لیے سدراہ ہے انھیں ٹھنڈے دل سے اس رویہ پر غور کرنا چاہیے۔

جناب آہوجہ کے صدارتی خطبہ کے بعد یہ محفل مشاعرہ قومی ترانہ کے بعد نہایت کامیابی سے اختتام پذیر ہوئی۔

(سوز شرمن)

جامعہ اردو کے ضمنی امتحانات کے نتائج کا اعلان

علی گڑھ ۱۲ جولائی جامعہ اردو علی گڑھ کے ضمنی امتحانات ادیب کامل، ادیب ماہر، ادیب اور ابتدائی کے نتائج کا اعلان آج کر دیا گیا یہ امتحانات مئی ۱۹۶۶ء میں ہوئے تھے۔

(محمد علی شاہ جعفری رجسٹرار جامعہ اردو)

انجمن ترقی اردو دہلی اسٹیٹ کا وفد

جناب کامراج سے ملاقات کرے گا

دہلی ۱۰ جولائی۔ انجمن ترقی اردو دہلی اسٹیٹ کا ایک وفد عنقریب صدر کانگریس جناب کامراج سے ملے گا۔ یہ فیصلہ انجمن کی مجلس عاملہ نے اپنے ان وفود کی رپورٹوں کی روشنی میں کیا جنھوں نے وزیر برقاب جناب فخر الدین علی احمد اور وزیر اعظم مسز گاندھی سے ملاقاتیں کی تھیں اور مطالبہ نامہ پیش کیا تھا۔ مجلس عاملہ میں مسز گاندھی کے ساتھ بات چیت کے بارے میں غور کیا گیا اور طے کیا گیا کہ انجمن کے وفد کے اراکین چودھری برہم پرکاش ایم پی اور لالہ شام ناتھ نائب وزیر حکومت ہند سے ملاقاتیں کریں۔ مجلس عاملہ نے انجمن کے نئے ضابطوں پر بھی غور کیا اور یوم آزادی کے سلسلہ میں انجمن کے پروگراموں کے لیے عہدیداروں کو کچھ ہدایت دیں۔

(الجمعیۃ)

ناگپور یونیورسٹی کے غیر منصفانہ فیصلے کے خلاف شاخ بھیمڑی کا ایک جلسہ

۵ جولائی ۱۹۶۶ء کو جناب ڈاکٹر ... ایم مقری صاحب صدر انجمن ترقی اردو (شاخ بھیمڑی) کی صدارت میں باشندگان بھیمڑی کا ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ حاضرین جلسہ نے ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل کے اردو دشمن فیصلے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا اور مندرجہ ذیل تجویز بالاتفاق رائے منظور ہوئی۔

"باشندگان بھیمڑی کا یہ جلسہ عام ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل کے اس اقدام پر سخت احتجاج کرتا ہے جس کے ذریعہ بی۔ اے۔ بی۔ ایس سی اور بی کام کے درجوں سے اختیاری مضمون کو ختم کر دیا گیا ہے بریاست مہاراشٹر میں اردو کے تعلق سے دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں انصاف کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ناگپور یونیورسٹی کا یہ قدم نہایت ہی افسوسناک ہے۔

باشندگان بھیمڑی کا یہ جلسہ عام ناگپور یونیورسٹی سے خصوصاً اور حکومت مہاراشٹر سے عموماً پرزور اپیل کرتا ہے کہ اردو دشمنی کا یہ قدم فوراً واپس لے لیا جائے۔ اور یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم حسب سابق جاری کر دی جائے"

(مومن یوسف حسن سکریٹری انجمن ترقی اردو (شاخ بھیمڑی))

ناگپور یونیورسٹی کے نامناسب فیصلے کے خلاف

انجمن ترقی اردو مہاراشٹر کی اپنی جدوجہد

ناگپور یونیورسٹی نے اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے ختم کر کے جو اردو دشمنی کا ثبوت دیا ہے، اس کے خلاف انجمن ترقی اردو (مہاراشٹر) نے پرزور اپنی جدوجہد شروع کر دی ہے اس سلسلے میں جناب فیض انصاری صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو ودربھ کو خصوصی اختیارات بھی دے گئے ہیں لہذا انجمن ترقی اردو مہاراشٹر کی تمام شاخوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے یہاں ناگپور یونیورسٹی کے اس فیصلے کے خلاف جو تجویز منظور کریں اس کی ایک نقل جناب فیض انصاری صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو ودربھ کو قدوائی ہائی اسکول جٹ پورہ چاندہ کے پتے پر بھی ضرور روانہ کریں۔

(محمود چھاپرا جائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند مہاراشٹر)

انجمن ترقی اردو بھیمڑی کا ایک اعلان

بھیمڑی کے اردو دوستوں سے گزارش ہے کہ اس سال بھی جامعہ کے امتحانات کا انتظام رئیس ہائی اسکول بھیمڑی کی نگرانی میں کیا گیا ہے امتحان میں شرکت کے خواہش مند حضرات سے التماس ہے کہ وہ جلد سے جلد انجمن کے سکریٹری یوسف حسن یا جناب ظفر الاسلام ہیڈ ماسٹر رئیس ہائی اسکول سے ملاقات کریں۔ مومن لائبریری اور اسکول لائبریری میں نصاب کی کتابوں کا بڑی حد تک انتظام کیا گیا ہے۔

تعلیم بالغان

انجمن تعلیم بالغان بھی ان پڑھے لکھے مردوں اور عورتوں کو اردو پڑھنا لکھنا سکھانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ جو لوگ پڑھنا لکھنا چاہتے ہوں وہ انجمن کے سکریٹری سے جلد سے جلد ملاقات کریں۔ تعلیم مفت دی جائے گی عورتوں کے لیے علحدہ انتظام ہوگا۔ (یوسف حسن سکریٹری)

حیدرآباد میں شعری مجموعہ "آبگینے" کی رسم اجراء

حیدرآباد ۱۷ جولائی ۱۹۶۶ء مشہور شاعر مخدوم محی الدین نے اردو ہال میں ادارہ مصنفین نو کی دوسری پیشکش "آبگینے" کی رسم اجراء انجام دیتے ہوئے نئی نسل کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی ادبی صلاحیتوں کو ایک وسیع پلیٹ فارم کے ذریعہ منظم کریں تاکہ پرانے ادیبوں کو انھیں زیادہ سے زیادہ سننے سمجھنے کا موقع مل سکے۔ ابتدا میں کتاب کے مرتب حسن فرخ نے خیر مقدم کیا اور وقار اعظمی نے ادارے کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ اس سے قبل نئے افسانہ نگاروں کا ایک مجموعہ "نیا کارواں" ادارے کی جانب سے شائع کیا جا چکا ہے۔

مخدوم محی الدین نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندوستان میں ۱۹۴۷ء کے بعد اردو کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی گئی ہے لیکن آندھرا پردیش میں بڑی حد تک بہتر موقف دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اردو کے اس اہم مرکز پر کوئی عمدہ اشاعت گھر نہیں ہے۔ حیدرآباد کے بعض ادارے تخلیقات شائع کرتے ہیں لیکن ان کی نکاسی کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ شاہد صدیقی کا مجموعہ کلام بھی اسی طرح گودام میں پڑا ہوا ہے۔

(حسن فرخ)

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف اور خوشخط لکھے ہوں۔

تبصرے

خلیل الرحمن اعظمی

سوامی درشن

مصنف : سوامی مارہروی

ناشر : نظامی بک ایجنسی بدایوں

قیمت : چار روپے

سید سرور عالم مارہروی مرحوم جنھوں نے سوامی تخلص اختیار کیا اور اپنے وطن مارہرہ میں اپنی روش خاطر کا نام سوامی کی کٹیا رکھا بڑی دلکش اور دلآویز شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے اصلاف میں صاحب عالم مارہروی کا نام غالب کے خطوط کی وجہ سے ادبی حلقوں کے لیے بڑی دلچسپی کا سامان رکھتا ہے مگر سوامی صاحب نے تو اپنے جد امجد شاہ برکت اللہ بلگرامی کی روایت کو آگے بڑھایا جنھوں نے ہندی یا اپنے زمانے کی عوامی بولی میں شاعری کے قابل قدر نمونے چھوڑے اور "پیمی" کے نام سے ہندی والے اب بھی اپنے ایک محبوب شاعر کو یاد کرتے ہیں۔ سوامی مارہروی نے اردو میں شاعری کی اور اس زبان کو استعمال کیا جسے نہ تو خالص ہندی کہہ سکتے ہیں نہ خالص اردو بلکہ ان کے اسلوب میں دونوں زبانوں کی درمیانی آنچ ہے۔ عظمت اللہ خاں اور مقبول حسین احمد پوری کے گیتوں اور نظموں کے ساتھ سوامی صاحب کے گیت اور نظمیں پڑھی جائیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان شعراء کے دوش بدوش سوامی صاحب نے اپنے لیے نئے میدان تلاش کیے ہیں۔ ان کے گیتوں میں ہندوستان کے گاؤں کا دل دھڑکتا ہے اور روزمرہ کی گھریلو زندگی کے نشیب و فراز ایسے دلکش پیرایے میں بیان کیے گئے ہیں جس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ "گوری بیسے بینا دھیرے دھیرے چالے جائی"، "عجب نجری سانسیا سوری"، "بھوری کیا اور دھیرن کا گیت" ایسے گیت ہیں جو اردو کے عام روایتی اور عشقیہ گیتوں سے الگ ہیں۔ ان کی تمام نظموں اور گیتوں میں ایک بے پناہ نقطۂ انفرادیت ہے جو خاص طور پر ہمارے لیے قابل توجہ ہے۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے اردو شعراء میں "دوہے" لکھنے کا ایک رجحان پیدا ہوا ہے جس کے سب سے بڑے علمبردار جمیل الدین عالی سمجھے جاتے ہیں۔ بعض حضرات نے انھیں اردو میں دوہوں کا پہلا شاعر کہا ہے۔ یہ خیال نا انصافی پر مبنی ہے۔ امیر خسرو سے لیکر بہادر شاہ ظفر تک اردو کے متعدد شعراء نے دوہے کہے ہیں۔ بیسویں صدی کے شعراء میں بھی اگر دوہے لکھنے میں اولیت کا سہرا کسی کے سر باندھا جا سکتا ہے تو وہ سوامی ہیں۔ سوامی جی نے تو امیر خسرو کی ایک اور روایت کو اس صدی میں زندہ کیا یعنی "پہیلیاں" لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا جس کے کچھ نمونے اس مجموعے میں شامل ہیں۔

سوامی صاحب کی بہت سی نظموں، گیتوں اور دوہوں میں طنز کی ایک دھار بھی ملتی ہے جو ہمیں کبیر کی یاد دلاتی ہے۔ "سوامی درشن" اردو کے شعری مجموعوں میں خاص توجہ کا مستحق ہے۔

خلش

مصنف : سیفی پریمی۔ ناشر سروج اکیڈمی دہلی ۶۔ قیمت : دو روپے

سیفی پریمی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اگرچہ ان کی ذہنی اور فنی تربیت روایتی قسم کے اساتذہ کے زیر سایہ ہوئی ہے لیکن وہ بنیادی طور پر ایک حساس انسان ہیں اور بغیر جذبات و محسوسات کے محض استادی کے بل پر شعر کہنے کے قائل نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں گھسے پٹے مضامین اور فرسودہ تشبیہات و استعارات سے دامن بچا کر ایک نئی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ خاصی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ چند شعر دیکھیے

اکثر نظر کروں کبھی دنیا نظر پڑی ہے ۔۔۔ جیسے کوئی سہاگن بیٹھی ہوں مسکرا کر

یہ فضائے غم کھلے گی کبھی عشق کی چمک سے ۔۔۔ ابھی سوگوار دلوں میں ابھی سوگوار ہو تم

وہ رہوتے ہیں تو دل اور چمک اٹھتے ہیں ۔۔۔ ناسپاس عشق میں حاصل نہیں ہونے پاتے

لب دوفانے کبھی نیند میں قدم چومے ۔۔۔ خلوص میں کبھی برسوں سے ایک نگہ بجری

ہر اک سے شکوۂ غم ہائے آرزو سیفی ۔۔۔ یہ کیا روی کہ اس کا نام جان سے بچھڑ گیا

مجموعے کے آخر میں دو نظمیں "پیٹے ون" اور "ہندی" بھی شامل ہیں۔ سیفی صاحب کے مزاج کو اصل مناسبت غزل سے ہے اور ان کی غزل میں ابھی اور آگے بڑھنے اور پھیلنے کی گنجائش ہے۔

مومن حیات و شاعری

تصنیف : احسان دانش عبد الرحمن اصلاحی، ناشر مکتبہ تعمیر ادب، اردو بازار دہلی

قیمت : تین روپے آٹھ آنے

مومن پر یہ کتاب جو دراصل عبد الرحمن اصلاحی کی تصنیف ہے اب سے غالباً پندرہ بیس سال قبل لکھی گئی تھی۔ اس کا مسودہ مختلف ناشروں کے ہاتھ منتقل ہو کر ۱۹۶۵ء میں ظفر ادیب صاحب کی کوششوں سے منظر عام پر آیا ہے۔ اصل کتاب شروع ہونے سے پہلے ایک تحریر احسان دانش کی بھی شامل کی گئی ہے جس کا عنوان ہے "مومن سے پہلے" اور غالباً اسی بنا پر ان کا نام بھی مصنف کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس زمانے میں لکھی گئی تھی جب نگار کے مومن نمبر کی بدولت اردو کے ادبی حلقوں میں مومن اور مومن کے رنگ تغزل کے بارے میں ایک مبالغہ آمیز تنقید نے جنم لیا تھا۔ ان تنقیدوں میں جا بجا مومن کو غالب اور دوسرے شعراء سے ٹکرایا بھی گیا ہے۔ شبلی نے موازنۂ انیس و دبیر میں جس غیر متوازن تنقید کی بنیاد ڈالی تھی وہ اب جدید دور میں آہستہ آہستہ معدوم ہوتی جا رہی ہے لیکن اس طرح کی کتابوں کو دیکھ کر ایک بار پھر اس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ویسے لکھنے والے نے کافی محنت کی ہے اور اس وقت تک مومن کے بارے میں جو معلومات اور تنقیدی رائیں بکھری ہوئی تھیں انھیں یکجا کر دیا گیا ہے۔ پچھلے آٹھ دس برسوں میں کلب علی خاں فائق اور عبادت بریلوی نے مومن پر خاص تفصیل سے کام کیا ہے اور ان حضرات کی کتابیں مومن کے سلسلے کے تحقیقی و تنقیدی کام کو آگے بڑھاتی ہیں۔ اس اعتبار سے زیر نظر کتاب اب کچھ پرانی سی معلوم ہوتی ہے لیکن اپنے اختصار اور سادہ و شگفتہ انداز بیان کی وجہ سے یہ کتاب اب بھی طلبہ کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر بصیر الدین زبیری نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا، پبلشر نذیر حسین نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا